شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی عربی نگارشات

ڈاکٹر محمد اکرم السلام اعظمی
اسسٹینٹ پروفیسر
شعبۂ عربی، یونیورسٹی آف دہلی

تلخیص: بنی نوع انسان کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی بہت سی تکوینی سنتوں میں ایک اہم سنت ''اصطفاء'' کی رہی ہے۔اس سنت کے تحت ماضی میں جس طرح اللہ جل مجدہ نے بہت سے افراد کو اپنے حسنِ انتخاب سے عزت بخشی ہے اور بعض امتیازی فضیلتوں سے انھیں شرف یاب کیا ہے؛ اسی طرح بہت سے خانوادوں کو بھی برگزیدگی اور عظمت و بزرگی سے سرفراز فرمایا ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

إِنَّ اللهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوْحاً وَآلَ إِبْرَاہِیْمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِیْنَ oذُرِّیَّۃً بَعْضُہَا مِن بَعْضٍ وَاللهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ o (۱)

''اللہ تعالیٰ نے آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آلِ عمران کو تمام دنیا والوں پر ترجیح دے کر منتخب کیا تھا۔یہ ایک سلسلے کے لوگ تھے جو ایک دوسرے کی نسل سے پیدا ہوئے تھے۔اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔''(۲)

خدا کی سنتیں خواہ ہمارے دائرۂ ادراک میں ہوں یا اس سے باہر، کبھی تبدیل نہیں ہوا کرتی ہیں، بلکہ ہمہ دم وہ کائنات میں سرگرم عمل رہتی ہیں۔خانوادۂ ولی اللّٰہی کے احوال و کوائف، علمی فتح مندیوں، تصنیفی معرکہ آرائیوں اور بوقلموں سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا شاید قرین صواب ہو کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے نظام اصطفاء کا آئینہ دار رہا ہے۔پورے عالم اسلامی میں بالعموم اور برصغیر میں بالخصوص اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کو جو قدر و منزلت بخشی ہے؛ وہ اس خطے کی اسلامی و دینی تاریخ کا نہایت روشن باب ہے۔میرے اس خیال کی تصویب مولانا محمد عثمان بن فاروق کشمیری کے نام حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے اس مکتوب سے ہوتی ہے جس میں وہ اپنے والد گرامی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ:

......أن سيدي الوالد، قدس الله سره و أعلى في الملأ الأعلى ذكره، أدناني يوماً من نفسه و قربني إلى سريره وأخذ يمطر عليّ شآبيب الأسرار من سحاب ضميره إلى أن قال رضي الله عنه: نحن نتوارث فيما بيننا أمرا جسيما وہو أنه ما منا رجل إلا وله لقب يدعى به في الملكوت الأعلى والسماوات العلى وذلك اللقب ہو الذي يكون مرآة جماله و فذلكة كماله و كان سيدنا العارف بالله الشيخ عبدالرحيم قدس سره يدعىٰ عندہم بأبي الفيض وأنا أدعى فيما بينهم بأبي الفياض ثم خاطب ہذا الفقير وقال له أنت تسمى فيما بينهم حجة الله على

الأرض فملئت من قولہ سرورا وزادني ذلک حبورا وہنا إنما ذکرتہ شکراً وثناء لا فخرا ونواء واللہ الکبیر المتعال أعلم بما في السرائر فقط (۳)

''میرے گرامی قدر و منزلت والد محترم (قدس اللہ سرہ) نے ایک روز مجھے اپنے پاس بلایا، اپنی چارپائی کے پاس بیٹھایا اور اپنے ضمیر کے ابرِ کرم کی بوندیں مجھ پر برسانے لگے یہاں تک کہ انھوں نے فرمایا: ہم لوگ باہم ایک بہت بڑی چیز کے وارث ہوتے آرہے ہیں یعنی ہم میں سے ہر ایک کا ملأ اعلیٰ میں ایک لقب ہے اور اسی لقب سے وہاں اسے پکارا جاتا ہے۔ یہی لقب ہے جو اس کے حسن و جمال کا آئینہ اور اس کے شرف و کمال کا خلاصہ ہوا کرتا ہے چنانچہ حق آگاہ شیخ عبدالرحیم (قدس سرہ) کو وہاں ابوالفیض کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور مجھے ابوالفیاض کہا جاتا ہے۔ پھر مجھ ناچیز سے فرمانے لگے کہ تم کو وہاں حجۃ اللہ علی الارض کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان کی یہ بات سن کر میں باغ باغ ہو گیا اور میری خوشیاں و شادکامیاں دوچند ہو گئیں۔ اس بات کا تذکرہ میں نے بس جذبۂ شکر و ثنا کے تحت کیا ہے۔ اس سے کوئی فخر و برتری مقصود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ رازہائے دروں سے خوب واقف ہیں۔''

مکتوب بالا کی روشنی میں کیا یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ فضل و کمال، علم و عرفان اور شرف و امتیاز کا حامل یہ ولی اللہی خاندان واین خانہ تمام آفتاب است، یا 'ہمہ خانہ آفتاب است' جیسے محاوروں کا حقیقی مصداق تھا۔ چنانچہ مولانا مناظر احسن گیلانی رقم طراز ہیں:

''سچ یہ ہے کہ اس [خاندان] کی نظیر ہند کیا بیرون ہند کی اسلامی دنیا میں بھی مشکل سے میسر آسکتی۔''(۴)

اسی خانوادۂ صدق و صفا میں ۲۵/رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ مطابق ۱۷۴۵ء، پنجشنبہ کی رات کو حضرت شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنے وجود کی آنکھیں کھولیں اور ملفوظات عزیزی کے مطابق کسی صاحب نے آیت قرآنی ''فبشرناہ بغلام حلیم'' کی روشنی میں آپ کا تاریخی نام ''غلام حلیم'' رکھا۔ پانچ سال کی عمر میں قرآن مجید پڑھنا شروع کیا اور جلد ہی حافظِ قرآن ہونے کی سعادت حاصل کر لی مزید تعلیم و تربیت کے لیے اپنے مایۂ ناز والد گرامی اور ان کے ارشد خلفاء و تلامذہ مولانا شاہ محمد عاشق پھلتی، مولانا خواجہ امین اللہ کشمیری اور مولانا نوراللہ برہانوی کے آگے زانوے تلمذ تہ کیا۔ پندرہ سال کی عمر میں ہی تمام مروجہ علوم و فنون سے فارغ ہو گئے۔

سترہ سال کی عمر میں عظیم باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ چاروں بھائیوں میں چوں کہ عمر اور علم میں سب سے بڑے اور ممتاز تھے اس لیے والد کی وفات کے بعد ان کی بچھائی ہوئی مسندِ درس وارشاد پر متمکن ہوئے۔ وقائع عبدالقادر خانی کے مطابق:

''آپ علم تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت اور تاریخ میں شہرۂ آفاق تھے اور ہیئت، ہندسہ، مجسطی، مناظر، اصطلاحات، جر ثقیل، طبیعیات، الٰہیات، منطق، مناظرہ، اتفاق، اختلاف، ملل، نحل، قیافہ، تاویل، تطبیق مختلف اور تفریق مشتبہ میں یکتائے زمانہ تھے۔''(۵)

آپ کی اس ہمہ دانی، جامعیت اور فراوانی علوم و فنون کا اندازہ خود آپ کے اپنے ملفوظات سے بھی ہوتا ہے جس میں ایک جگہ کہا گیا ہے کہ :

''جن علوم کا میں نے مطالعہ کیا ہے اور جہاں تک مجھے یاد ہے، ایک سو پچاس علوم ہیں۔ نصف سابقین اولین کے ہیں اور نصف علم اس امت میں ہیں۔''(۶)

صاحبِ نزہۃ الخواطر سید عبد الحی حسنی کے بقول شاہ عبد العزیز اپنے جملہ علوم و فنون اور فضل و کمال کے ساتھ فن موسیقی، شہ سواری اور تیر اندازی میں بھی ماہر تھے فرماتے ہیں:

وكانت له مهارة في الرمي والفروسية والموسيقى۔(۷)

جن مختلف زبانوں میں شاہ صاحب کو دست گاہ حاصل تھی ان میں فارسی، عربی، عبرانی، ریختہ اور اردو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حافظہ بھی غضب کا پایا تھا کہ نادر و نایاب کتابوں کی طویل عبارتیں اکثر طلبہ کو اپنی یادداشت کے سہارے لکھوا دیتے پھر اتفاقاً کوئی کتاب بعد ازاں دست یاب ہو جاتی تو ملاحظہ اور موازنہ کرنے پر اصل عبارت اور آپ کی املا کرائی ہوئی عبارت میں من و عن کا بھی فرق نہ ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ کو دہرانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ:

''ایک دفعہ کلکتے کے سفر میں شاہ صاحب نے قاموس [عربی لغت] کا ایک نسخہ دیکھا تھا۔ مدتوں بعد نابینا ہو جانے پر وہ دہلی میں فروخت کے واسطے دست بہ دست شاہ صاحب کے مدرسہ میں پہنچا۔ شاہ صاحب نے ہاتھ میں لے کر فرمایا یہ وہ نسخہ ہے جس کو میں نے دیکھا ہے پھر فرمایا کہ دیکھو فلاں حاشیے پر یہ عبارت تو نہیں لکھی ہے دیکھا گیا تو وہی تھی آخر میں معلوم ہوا کہ یہ وہی نسخہ ہے۔''(۸)

حاضر جوابی اور برجستہ گوئی میں بھی شاہ صاحب طاق تھے۔ چنانچہ ایک بار جامع مسجد میں قرآن کا درس دے رہے تھے۔ دورانِ درس ایک انگریز جو عربی و فارسی سے بھی خوب واقف تھا آیا اور کہا کہ میرے ایک سوال کا جواب دیجیے آپ نے فرمایا کہو! اس نے یہ شعر پڑھا:

کسے بگفت کہ عیسیٰ ز مصطفیٰ اعلیٰ است		کہ این بزیر زمیں دفن و آں باوج سما است

یعنی لوگ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ سے عیسیٰؑ کا مرتبہ یوں بلند ہے کہ جناب مصطفیٰ ﷺ زیرِ زمین دفن ہیں جب کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان کی بلندی پر ہیں۔

شاہ صاحب نے برجستہ فرمایا کہ:

بگفتش کہ نہ ایں حجتت قوی باشد		حباب بر سر آب و گہر تہ دریا است (۹)

یعنی ایسا کہا جانا تمھارے لیے کوئی مضبوط دلیل یوں نہیں ہے کہ بلبلہ پانی کے اوپر ہوا کرتا ہے اور گوہر دریا کی تہ میں پایا جاتا ہے۔

زبانِ فارسی کے اس مکالمے کو کسی صاحبِ نظر اردو شاعر نے بڑے فن کارانہ انداز میں اور نہایت خوب صورتی کے ساتھ اردو قالب عطا کیا ہے، جس کے اندر شاہ عبدالعزیزؒ کے جواب کو خاص طور سے اجاگر کیا گیا ہے؛ وہ کہتا ہے کہ:

یہ دریائے نبوت ہے، حباب اوپر گہر نیچے فلک پر حضرتِ عیسیٰ محمد تہ بہ تہ نیچے

شاید شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے انہی گوناگوں اوصاف سے متاثر ہو کر برطانوی حکومت نے علامہ تفضل حسین (۱۰) کے ذریعہ مدرسہ عالیہ کی صدارت کا باوقار منصب انہیں پیش کرنا چاہا جسے یہ کہہ کر شاہ صاحب نے کمال استغنا کے ساتھ ٹھکرا دیا کہ درس وتدریس، وعظ ونصیحت اور پندوموعظت کے ذریعہ عوام الناس کی اصلاح اور اسلامی علوم کی اشاعت ان کے نزدیک اس دنیاوی عزوجاہ کے مقابلے زیادہ اہم ہے۔(۱۱)

شاہ صاحب کی جولان گاہ بس اسی قدر نہ تھی، جو اوپر بیان ہوئی بلکہ وہ ایک اعلیٰ پائے کے مصنف اور بہترین قلم کار بھی تھے۔ آپ کے گہربار قلم سے نکلی ہوئی صدہا تحریریں رشکِ علم وآگہی ثابت ہوئی ہیں اور آپ کی متعدد کتابیں آج بھی اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر رہی ہیں۔ آپ کے ذخائرِ علمی میں فارسی کتابوں کے علاوہ عربی زبان میں درج ذیل تصنیفات پائی جاتی ہیں:

۱ -سِرّ الشہادتین ۲- عزیز الاقتباس فی فضائل أخیار الناس ۳- میزان البلاغۃ ۴- میزان المنطق۔ اگر بستان المحدثین کے عربی ترجمے کو بھی اس فہرست میں شامل کرلیں تو آپ کی عربی تصانیف کل پانچ قرار پائیں گی۔

مذکورہ بالا مستقل عربی تصانیف کے علاوہ شاہ صاحب کی انتہائی اہم اور قیمتی عربی تحریریں نظم ونثر دونوں شکلوں میں آپ کے مختلف خطوط، تقاریظ، فتاوے، تذکرے اور ملفوظات میں بکھری پڑی ہیں۔ اگر انہیں الگ الگ یکجا کر دیا جائے تو بلا مبالغہ ان کے منظوم ومنثور عربی کلام کے انتہائی بیش قیمت مجموعے سامنے آسکتے ہیں۔

مرحوم ڈاکٹر شاہ عبدالسلام سابق صدر شعبۂ عربی لکھنؤ یونی ورسٹی نے اپنے خاندانی کتب خانے سے مکاتیب کے ایک بیش قیمت مخطوطے کو ''مکتوبات الشیخ الشاہ ولي الله الدهلوي وأولاده و معاصريه'' کے عنوان سے اپنی تحقیق وترجمے سے آراستہ کر کے رضا لائبریری رام پور سے شائع کرایا تھا۔ اس مجموعۂ مکاتیب کے کل خطوط کی تعداد ۱۷۸ یا ۱۷۹ ہے اس میں سے بڑی تعداد حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے مکاتیب پر مشتمل ہے۔ اس مجموعے کے اندر آپ کے مکاتیب کی کل تعداد ۹۳ ہے جن میں سے بیشتر تفصیلی ہیں اور وہ ایک سے زائد صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں سے سات آٹھ مکاتیب کے اندر منظوم ومنثور دونوں طرح کے کلام ساتھ ساتھ ملتے ہیں جبکہ ایک آدھ مکتوب خالص اشعار پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح بہت سے مجرد نثر کا نمونہ ہیں؛ بس درمیان میں ایک آدھ شعر اپنا یا کسی کا درج ہو گیا ہے۔

عربی زبان میں ایک انتہائی نادر وکم یاب کتاب ''العجب العجاب فيما يفيد الكتاب'' ہے؛ اس کتاب میں بھی صفحہ ۱۴۵ تا ۱۵۳ پر پھیلا ہوا شاہ صاحب کا ایک مبسوط خط موجود ہے۔ یہ خط دراصل صاحبِ کتاب احمد بن محمد بن علی الانصاری الیمنی الشروانی (۱۲) کے ایک خط کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ اس تفصیلی خط میں شاہ صاحب کے دو قصائد بھی درج ہیں۔ ایک قصیدہ دس اشعار پر مشتمل ہے جس میں سے چھ اشعار مذکورہ کتاب پر گویا

شاہ صاحب کے تاثرات ہیں۔ دوسرا قصیدہ ۲۳ نعتیہ اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب کلکتے سے فورٹ ولیم کالج کونسل کی سفارش پر ۱۸۱۳ء میں پہلی بار شائع ہوئی ہے۔ اس کے شروع میں مسٹر ٹی تھومسن کا ۸-۷ صفحات پر مشتمل انگریزی میں ایک قیمتی مقدمہ بھی درج ہے۔

اسی طرح مذکورہ بالا شیخ احمد بن محمد یمنی کی ایک اور کتاب ''مناقب حیدریہ'' پر بہ شکل تقریظ لکھی گئی شاہ صاحب کی ایک اور عربی تحریر ہے اور غالباً منظوم ہے چنانچہ اس تقریظ کے چند اشعار کا تذکرہ ڈاکٹر ثریا ڈار نے اپنی کتاب ''شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات'' میں کیا ہے۔(۱۳)

بعض تذکرہ نگاروں نے حضرت شاہ عبدالعزیز کے نعتیہ کلام کے حوالے سے ان کے قصیدۂ میمیہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اسی طرح آپ کے عربی خطبات کے بعض نثری شہ پارے بھی نمونے کی شکل میں بعض کتابوں کی زینت ہیں۔

شاہ صاحب کے ان منظوم و منثور ادبی شہ پاروں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں عربی گفتگو، عربی نگارش اور عربی میں برجستہ گوئی و شعر گوئی کا زبردست ملکہ حاصل تھا۔ صاحبِ تراجم الفضلاء کا ان کے سلسلے میں یہ قول کس قدر مبنی بر حقیقت ہے کہ:

''شاہ عبدالعزیز دہلوی......در علم حدیث و فقہ و اصول و تمامی علوم عربیت خاصہ لغت مشہور اند۔''(۱۴)

آپ کا ایک نثری شہ پارہ ملاحظہ ہو:

'' إني بفراقكم لمحزون، إن سألتم عن حالي فقلبي بالأشواق متمزق وكبدي بمكابدة الفراق متحرق، وروحي بحبال الآمال مختنق وبصر بصيرتى فى مشاہدة جمالكم مستغرق جسدي ذائب ولبي ذاهب...... ''(۱۵)

''میں آپ کی جدائی سے مبتلائے غم ہوں، اگر آپ پرسشِ احوال کریں تو عرض کروں کہ میرا دل وفورِ شوق سے پھٹا جا رہا ہے اور میرا کلیجہ فراق کی کلفتوں سے سوختہ ہو رہا ہے اور امیدوں کی رسیوں سے میری روح کا دم گھٹا جا رہا ہے۔ میری نگاہِ بصیرت آپ کے حسن کے دیدار میں مشغول ہے، میرا جسم گھل رہا ہے اور عقل و خرد جاں بلب ہے۔''

آپ کے ایک عربی قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

یا سائر النحوالحمی　　　باللہ قف فی بانہ

واقرأ طوامیر الجوی　　　منّی علی سکانہ

إن يسألوا عن حالتي　　　في السقم منذ فقدتهم

فالقلب في خفقانہ　　　والرأس في دورانہ

إن فتشوا عن دمع عيني بعدہم قل حاكيا

كالغيث في تهتانہ　　　　والبحر في هيجانہ(١٦)

"اے قیام گاہ اور خیمے کی طرف جانے والے! خدا کے واسطے ذرا اس کے کھونٹے اور طنابوں کے پاس ٹھیر جا، اور وہاں قیام پذیر لوگوں کے حوالے سے میں نے جو سوزش عشق میں ڈوبے ہوئے اشعار رقم کیے ہیں، انھیں پڑھ لے، ان سے بچھڑ جانے کے بعد سے مجھ پر جو بیت رہی ہے اور میری زاری و بیماری کی جو کیفیت ہے اگر وہ لوگ اس کے بارے میں پوچھیں تو کہہ دینا کہ وہ بے قراری اور آشفتہ سری میں دن گزار رہا ہے دل ہے کہ مانتا نہیں؛ سراپا اضطراب بنا ہوا ہے۔اور سر ہے کہ چکرائے جارہا ہے۔ ان سے بچھڑنے کے بعد میرے اشک ہائے مژگاں اور آنسوؤں کا اگر وہ حال دریافت کریں تو یوں کہنا کہ ان کا حال نہ تھمنے والی مسلسل بارش اور طوفان بھرے سمندر جیسا ہے۔"

طوالت کے خوف سے بس انہی چند مثالوں پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ان مثالوں سے بہ خوبی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک خالص ہند نژاد ادیب جس کا مایۂ خمیر گنگ و جمن کی دھرتی سے اٹھا تھا عربی زبان وادب کے حوالے سے اس کی خوش مذاقی کس درجہ مثالی اور قابل رشک تھی۔ جملہ اصناف سخن پر نظم پر، نثر پر اسے کس درجہ ماہرانہ اور استادانہ درست رس حاصل تھی۔ یہ اور اس جیسی بہت ساری دوسری مثالیں اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ ہندستانی علماء کی عربی تحریریں انتہائی معیاری اور بلند پایہ ادبی شہ پاروں کا درجہ رکھتی ہیں۔

ہندستان کا یہ آفتاب علم و حکمت بالآخر ۴یا ۷/شوال ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۲۲ء کو بعد نماز فجر غروب ہو گیا اور اس کا وجود خاکی مہدیان کے قبرستان میں پیوندِ خاک ہوا۔ وفات کے وقت زبان پر توفنی مسلما وألحقني بالصالحين کے کلمات جاری تھے۔ حضرت شاہ محمد اسحاقؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔لوگوں کا ہجوم اتنا تھا کہ پچپن مرتبہ آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔شاید ایسے ہی یگانۂ روزگار شخصیات کے لیے غالب نے یوں ماتم کیا تھا کہ:

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم　　　　تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

حضرت شاہ صاحب کی وفات پر بہت سے مرثیے کہے گئے۔ حکیم محمد مومن خاں مومنؔ کا درج ذیل مرثیہ حالات کی کسی درجہ ترجمانی کرتا ہے۔اس کے آخری مصرعہ سے شاہ صاحب کی تاریخ وفات بھی نکلتی ہے۔ مومن کہتے ہیں:

انتخاب نسخۂ دیں مولوی عبد العزیز　　　　بے عدیل و بے نظیر و بے مثال و بے مثل

جانب ملکِ عدم تشریف فرما کیوں ہوے　　　　آگیا تھا کیا کہیں مردوں کے ایماں میں خلل

جب اٹھائی نعش اک عالم تہ و بالا ہوا　　　　لوٹتا تھا خاک پر ہر قدسی گردوں محل

کیا کس و ناکس پہ تھا صدمہ کیا جس وقت دفن　　　　ڈالتا تھا خاک سر پر ہر عزیز و مبتذل

مجلس درد آفرین تعزیت میں میں بھی تھا　　　　جب پڑھی تاریخ مومن نے یہ آکر بے بدل

دست بے داد اجل سے بے سر و پا ہو گئے　　　فقر و دیں، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل

حوالے و حواشی

(۱) سورۃ آل عمران آیت ۳۳-۳۴ (القرآن الکریم)

(۲) ترجمہ: تلخیص تفہیم القرآن، صفحہ ۱۰۲

(۳) مکتوب نمبر ۷۷، صفحہ ۱۲۱-۱۲۰، مکتوبات الشیخ الشاہ ولي اللہ الدہلوي و أولادہ و معاصریہ

(۴) تذکرۂ حضرت شاہ ولی اللہ، صفحہ ۲۲۸

(۵) وقائع عبد القادر خانی، ج ۲، صفحہ ۲۴۶

(۶) ملفوظات شاہ عبد العزیز، صفحہ ۳۶

(۷) نزہۃ الخواطر، ج ۷، صفحہ ۲۶۹

(۸) دہلی اور اس کے اطراف، صفحہ ۱۰۹

(۹) کمالات عزیزی، صفحہ ۳۵

(۱۰) علامہ تفضل حسین کشمیری (۱۸۰۱-۱۷۲۷) سیالکوٹ کی پیدائش تھی، انگریزوں کے مقرب تھے، نواب آصف الدولہ کے عہد میں کلکتہ کے اندر ایسٹ انڈیا کمپنی کے دربار میں اودھ کے سفیر تھے، ملفوظات شاہ عبد العزیز میں بھی علامہ کا تذکرہ ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو: ملفوظات صفحہ ۱۱۶-۱۱۷ مطبوعہ ۱۳۱۴

(۱۱) شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات، صفحہ ۱۱۷

(۱۲) احمد بن محمد بن علی بن ابراہیم انصاری شروانی (۱۸۳۷-۱۷۸۵) تیرھویں صدی ہجری کے یمني الأصل عالم اور ادیب و شاعر تھے؛ وارد ہندستان ہوئے تو کلکتے میں فروکش ہوئے، مدرسہ عالیہ کلکتہ میں مدرس رہے، اور پھر وہاں سے نکل کر ہندستان کے مختلف خطوں میں ان کی آمد و رفت رہی مثلاً لکھنؤ، بھوپال، بمبئی، بنارس اور پونا وغیرہ۔ ان کی یہ کتاب کلکتے سے کم از کم تین بار طبع ہوئی ہے۔ پہلی بار ۱۸۱۳ء میں چھپی تھی۔

(۱۳) شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات، صفحہ ۲۹۰

(۱۴) تراجم الفضلاء، صفحہ ۱۶-۱۵

(۱۵) مکتوب نمبر ۶۵، صفحہ ۱۰۱، مکتوبات الشیخ الشاہ ولي الله الدہلوي و أولادہ و معاصریہ

(۱۶) العجب العجاب فیمایفید الکتاب، صفحہ ۱۵۳-۱۴۵

مراجع و مصادر:

(۱) احمد بن محمد بن علی بن ابراہیم الانصاری الیمنی الشروانی، العجب العجاب فیمایفید الکتاب، ہندوستانی پریس، کلکتہ ۱۸۱۳ء

(۲) مکتوبات الشیخ الشاہ ولي الله الدہلوي و أولادہ و معاصریہ، تحقیق، تعلیق و ترجمہ: أ.د. الشاہ عبدالسلام، الناشر: مکتبة رضا رام فور الہند، ۱۴۳۱ مطابق ۲۰۱۰ء

(۳) مولانا مناظر احسن گیلانی: تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ، لائل پور پریس، جولائی، ۱۹۶۵ء

(۴) ڈاکٹر ثریا ڈار: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۱ء

(۵) تحفۂ اثنا عشر

(۶) بستان المحدثین

☆☆☆